تہذیب وتمدن:

سلاطین اودھ کی عزاداری: قومی اتحاد کی اچھوتی تصویریں

پروفیسر سید اطہر رضا بلگرامی
جامعہ ملیہ اسلامیہ، دہلی

سلاطین اودھ نے اپنے دور حکومت میں مذہبی، سماجی اور معاشرتی اتحاد ویگانیت کی ایسی مثالیں پیش کردی ہیں جو دور حاضر کی گرتی ہوئی انسانی قدروں اور پھیلتے ہوئے ذہنی انتشار وہیجان کیلئے مشعل راہ ہیں۔ تاریخ نے ان کو محفوظ رکھ کر ہماری شناخت وپہچان کا تحفظ کیا ہے۔

تاریخ گواہ ہے کہ ہمارے عقائد، رسم ورواج اور ہماری مذہبی وسماجی تقریبات سبھی کشادہ دلی، وسیع النظری رواداری ور آپسی خلوص ومحبت کا آئینہ رہی ہیں۔ مسلم گھرانوں میں بچہ کی پیدائش کے موقع پر روایتی گیت گانا، ہولی اور دیوالی کے موقع پر اپنے ہندو بھائیوں کی خوشی میں شریک ہونا ہماری تہذیب ومعاشرت کا حصہ ہیں۔ اسی طرح عید پر مسلمان گھروں میں ہندؤں کا عید کی مبارکباد دینے آنا، سوئیاں کھانا، گلے ملنا، بچوں کو عیدی دینا بھی ہماری تہذیب میں رچابسا ہے۔ اگر دسہرہ میں راون کو آگ لگانے میں مسلم شرفاء کی شرکت کو ضروری قرار دیا گیا تو دوسری طرف امام چوک سے تعزیہ اٹھانے میں ہندؤں کی شرکت کو بھی اسی شدومد کے ساتھ اہمیت دی گئی۔ اگر بسنت میں مسلمان عورتوں لڑکیوں کا بسنتی رنگ کی اوڑھنیاں اوڑھنے کو رواج ملا تو محرم میں ہندولڑکوں، مردوں وعورتوں کو ہرے وکالے کپڑوں میں بھی دیکھا گیا۔ ہندوعورتوں کا تعزیے پر پرشاد چڑھانا وزراء اور امراء کے لئے اپنے بچوں کو تعزیے کے نیچے سے نکالنا، پانی وشربت کی سبیلیں رکھنا، عزاخانوں میں منت مانگنا علم وتعزیہ کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کھڑے رہنا، علم وتعزیہ کا طواف کرنا ہی ہماری تہذیب ومعاشرت کا حصہ

ہے جس کو نہ دبایا جاسکتا ہے اور نہ مٹایا جاسکتا ہے۔

اس اتحاد و یکجہتی میں پوشیدہ عظیم قوت کو سلاطین اودھ نے پہچانا اور فروغ دیا۔ تمام سلاطین اودھ کی سماجی، معاشرتی زندگی اسی گنگا جمنی تہذیب کا آئینہ ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ شاہان اودھ بہ نفس نفیس ہولی دیوالی بسنت ودسہرے کے تہواروں میں نہ صرف شریک ہوئے بلکہ ان کی مکمل سرپرستی کی ان کو قومی تہواروں کا درجہ دیا اور بطور ایک مکتب فکر فروغ دیا۔

سلاطین اودھ نے عزاداری کو ہر لحاظ واعتبار سے قومی یکجہتی وبھائی چارے کی درخشندہ وتابندہ مثال بنا دیا۔ واقعہ کربلا کی روح تحفظ انسانیت ہے۔ اس لئے اس واقعہ سے ہر انسان کا خواہ وہ کسی مذہب وملت سے تعلق رکھتا ہو، کسی عقیدے کا حامل ہو، متاثر ہونا فطری ہے۔ شاہان اودھ نے عزاداری کو انسانیت کے فروغ وبقاء کا ذریعہ بنایا اور اس کی تبلیغ میں ہر مذہب وملت کی شرکت کی بھرپور حوصلہ افزائی کی۔

شمالی ہندوستان میں عزاداری کے تبرکات کا جلوس کی شکل میں نکالنے کی ابتداء شاہ اشرف جہانگیر سمنانی نے کی۔ یہ بزرگ ۱۳۸۰ء میں ہندوستان آئے اور انہوں نے پہلی بار محرم کے موقع پر علم حسینی برآمد کیا۔ ان کا دستور تھا کہ وہ علم اور زنبیل سبزوار کے طریقہ پر تیار کرتے اور سادات ومتقی وپرہیزگار اشخاص کو اطراف میں بھیجتے اور یہ فرض اپنے خلیفہ ارشد حضرت علی قلندر کے سپرد کرتے [1]

اودھ میں فیض آباد وایودھیا کو مرکزیت حاصل تھی، فیض آباد اودھ کا دارالسلطنت اور ایودھیا مذہبی احترام وعقیدت کا مرکز رہا ہے۔ ایودھیا میں اگر ایک راجہ ہریش چندر سگریو، رگھوراج اور دشرتھ جیسے عظیم راجاؤں نے حکومت کی اور رام چندر جی جیسے اوتار گزرے تو مسلمانوں نے بھی اس علاقے کی خاک سے اپنا تعلق ابتدائے آفرینش سے قائم رکھا۔ یہ روایت مشہور ہے کہ جناب یعقوبؑ اور جناب شیثؑ کی قبریں اسی مقام پر ہیں جس کا ذکر ابو الفضل فیضی نے آئین اکبری'' کی جلد دوم میں کیا ہے [2] اس مذہبی احترام وعقیدت کی نسبت

سے اودھ میں عزاداری کی ابتداء میر باقی کی بنوائی ہوئی بابری مسجد سے ہوئی منشی جوالا پرشاد اختر کی تصنیف انوار سعادت میں'' اس کی تفصیل اس طرح ہے:

''صوبہ اودھ میں حسینی فوج کے سپہ سالار اور علمبردار حضرت عباس کے نام کا پہلا علم ایودھیا کی سرزمین پر میر باقی کی بنوائی ہوئی بابری مسجد سے اٹھا اور اس کے اٹھوانے کا سہرا مغلیہ فوج کے ایک راجپوت سردار دھرم سنگھ کے سر ہے جس نے کمال شاہ نامی ایک بزرگ درویش کی خواہش پر وہاں مقتدر ہندوؤں سے بات چیت کے بعد ان کی رضامندی سے عین عاشور کے دن سے اٹھولیا۔[۲]

کہا جاتا ہے کہ پہلے ہی سال ایودھیا کی تمام آبادی عقیدت واحترام کے ساتھ اس علم کے جلوس میں شریک ہوئی۔ دوسرے سال اس علم کو اتنی شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی کہ قرب وجوار کی تمام خلقت سمٹ کر ایودھیا میں جمع ہوگئی۔ اس علم کی شہرت ومقبولیت سن کر اپنے آخری ایام میں نواب شجاع الدولہ اپنی والدہ نواب صدر جہاں بیگم کے ہمراہ شاہی کروفر کے ساتھ ایودھیا آئے اور علم کی زیارت کی۔ نواب وبیگم علم کی شان وشوکت سے بہت متاثر ہوئے اور انہوں نے تقریباً ۲ لاکھ کا چڑھاوا چڑھایا۔ لیکن ۱۷۷۵ء میں جب کمال شاہ کا انتقال ہوگیا تو اس علم کا اٹھنا بند ہوگیا۔ اودھ میں تعزیہ داری کی ابتدا بھی اسی مسجد سے ہوئی جب اسی درویش نے عشرہ محرم کے دوران ایک تعزیہ بنا کر اسی بابری مسجد کے چبوترے پر رکھا تھا۔[۳]

نواب آصف الدولہ نے جب اودھ کا دار السلطنت فیض آباد سے لکھنو منتقل کیا تو قومی یکجہتی میں ڈوبی تمام تقریبات کی رونقیں لکھنؤ میں سمٹ آئیں۔ اب ہولی۔ دیوالی دسہرہ بسنت کے میلے ودیگر تقریبات، عید کی گہما گہمی اور محرم کی مجلسیں وجلوس سب اتحاد ویگانیت کا بے مثل نمونہ بن گئے۔ جہاں سربراہ مملکت ہر خاص وعام کی تقریبات میں بہ نفس نفیس شریک ہوتے اور ہر ممکن ذریعہ سے نہ صرف حوصلہ افزائی کرتے بلکہ ان کو فروغ دیتے۔

نواب واجد علی شاہ کے دور میں انیسؔ، دبیرؔ، انسؔ اور مونسؔ، جیسے اعلیٰ مرتبت مرثیہ گویوں کے ہمراہ ہندو مرثیہ گوشعرا نے وہی شہرت واحترام حاصل کیا۔ ان میں دیا کشن ریحان، راجہ الفت رائے الفت، کنور دھاپت رائے، محبؔ، رام پرشاد بشیرؔ، ہنڈولال زار قابل ذکر ہیں۔ یہ روایت تو آزادی سے قبل اور آزادی کے بعد بھی قائم رہی۔ لکھنؤ کی عزاداری سے متاثر ہندو شعراء میں دلورام کوثریؔ، مانک لکھنوی، منی لال جوانؔ، روپ کماری، یوگندر پال صابرؔ، عالیجناب مہاراجہ بلوان سنگھ (بنارس) پنڈت لبھو رام جوش ملسیانی، منشی گوپی ناتھ امن باوا کرشن مغموم چکبست وغیرہ ایک طویل فہرست ہے جو نوابین اودھ کے جذبہ اتحاد کو فروغ دیتے آئے ہیں۔ جعفر حسین خاں جونپوری نے اپنی تصنیف رثائی ادب میں ہندوؤں کا حصہ اردو پبلیشرز لکھنؤ میں ۶۸ ہندو شعراء اہلبیت کی نشاندہی کی ہے اور ان کا نمونہ کلام شامل کیا ہے۔

محرم کے سلسلے میں لکھنؤ میں ہندوؤں کی عقیدت واحترام کا نقشہ سر میر حسن علی نے کچھ اس طرح کھینچا ہے:

> ''ہندوؤں کو بھی تعزیہ سے عقیدت عام ہے۔ وہ لوگ تعزیہ کو دیکھ کر مودبانہ جھک جاتے ہیں۔ مجالس میں شریک ہوتے ہیں۔ امام باڑوں میں کوئی بھی شخص داخل ہونے سے قبل اپنے جوتے اتار دیتا ہے۔ انگریزوں کے علاوہ کسی سے کہنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔''

شاہان اودھ کے دور میں بہت سے روضوں اور امام باڑوں کی تعمیر کا سہرہ ہندوؤں کے سر ہے۔ جگناتھ اگر وال جب امجد علی شاہ کے دور میں مسلمان ہوئے تو ان کا نام غلام رضا خاں رکھا گیا اور شاہی دربار سے شرف الدولہ'' کا خطاب عطا ہوا لکھنؤ کا مشہور روضہ کاظمین انہیں کا بنوایا ہوا ہے۔ اسی طرح راجہ جھاؤلال کا مشہور امام باڑہ ٹھاکر گنج میں واقع ہے۔ جس کو نواب آصف الدولہ کے وزیر راجہ جھاؤلال نے بنوایا۔ اس امام باڑے کے احاطہ میں راجہ جھاؤلال کی بنوائی ہوئی ایک شاندار مسجد بھی تھی جو درمیان میں سڑک حائل ہونے کے

سبب امام باڑہ سے الگ ہوگئی اور اب وہ ''املی والی مسجد'' کے نام سے مشہور ہے۔ امام باڑہ کے داہنی طرف کوٹھی داس کا مندر اور اس مندر کی پشت پر (آج) ٹی۔بی۔ ہسپتال ہے جس کو نواب آصف الدولہ نے بابا کی رہائش کے لئے بنولیا تھا اور بزرگ لوگ آج بھی موجودہ ہسپتال کو اسی نسبت سے بابا کوٹھی داس کا آستھل'' کہتے ہیں۔ ۵ اس کے علاوہ بہت سے مقتدر ہندو حضرات کے تعزیے بھی بہت مشہور ہیں جن کی زیارت نواب بہ نفس نفیس کرتے تھے ان میں راجہ بھوانی مشرا اور راجہ ٹکیت رائے کا تعزیہ قابل ذکر ہیں جن کا حوالہ آگے آئے گا۔

انتخاب اخبار نواب وزیر بہادر'' اور انتخاب دربار معلیٰ واطراف ''جنکی دو جلدیں'' رائل ایشیا ٹک سوسائٹی، گریٹ برٹش اینڈ آئرلینڈ، لندن میں محفوظ ہیں، دربار آصفی کے حالات اور آصف الدولہ کے کوائف پیش کرتی ہیں۔ یہ روزنامچہ آصف الدولہ کی روزانہ کی مصروفیات کی عکاسی کرتا ہے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ وہ اپنے عوام سے کس کس سطح پر اور کس طرح منسلک رہتے تھے کس طرح بلاتفریق مذہب وملت غریب وامیر کی فلاح وترقی کے لئے کوشاں تھے۔ اس روزنامچہ کے چند اقتباسات پیش کررہا ہوں جو عزاداری کے سلسلے کے ہیں۔ ۶

> یکم محرم ۱۷۹۴ء نواب وزیر (آصف الدولہ) علی الصباح بیدار ہوئے، غسل کیا، لباس تبدیل کیا اور اس کے بعد سہ درہ محل میں پیپل کے پیڑ کے نیچے بیٹھ گئے ضروری امور کے متعلق احکامات دیے، گھوڑے پر سوار ہوئے اور عتیق اللہ کے امام باڑہ میں تشریف لے گئے۔ وہاں انہوں نے فاتحہ پڑھا اور احترام وادب کے ساتھ پانچ سو روپیہ تعزیہ پر نذر کیے پھر دیگر غربا، وفقرا کے تعزیوں کی زیارت کی اور اہل تعزیہ کی ضرورت کے پیش نظر کچھ روپیہ ہر ایک تعزیہ پر نذر کیے''

''۲ محرم ۱۷۹۴ء سہ پہر بعد کرم صاحب کی بارہ دری گئے پھر وہاں سے فوجی

چھاؤنی گئے جہاں پر تعزیے کے سامنے نذرگزاری۔ اس کے بعد اشرف علی خاں اور ان کے بھائیوں کے عزاخانے میں گئے۔ مرثیہ خوانی اور روضہ خوانی میں شرکت کی اور ایک ہزار روپیہ نذر کیا۔ پھر سواری پر پنچ محلّہ گئے اور وہاں خواتین کے تعزیوں کے لئے ایک بڑی رقم نظر کی۔ اس کے بعد اپنے امام باڑے میں واپس آئے اور مجلس میں شرکت کی۔ نواب نے مرثیہ خوانوں اور روضہ خوانوں کو دوشالہ اور زرنقد پیش کیا۔

۳۔محرم ۱۷۹۴ء کو نواب سواری میں سبھتی گئے اور وہاں غرباء ومساکین کے تعزیوں پر زرنقد پیش کیا۔

۴۔محرم ۱۷۹۴ء کو نواب حسن رضا خاں کی حویلی گئے۔ تعزیوں پر پانچ اشرفیاں نذر کیں۔ امام باڑہ حسن خاں میں حاضر ہوکر پانچ سو روپیہ نذر کیے۔ روضہ خوان کو دوشالہ عطا کیے اور امراء ورؤساء کے ساتھ ماتم میں شریک ہوئے۔ اس کے بعد راجہ جھاؤلال کے امام باڑے میں حاضری دی اور وہاں بھی تعزیہ پر پانچ سو روپیہ نظر کیے۔

۵محرم ۱۷۹۴ء کو نواب دریائے گومتی عبور کرکے فوجدارخاں کی حویلی گئے تعزیوں پر ایک ہزار روپیہ نذر کیے، وہاں سے مستان شاہ کے تعزیہ کی زیارت کی اور ایک سو روپیہ نظر کیا۔"

> ۶محرم ۱۷۹۴ء کو نواب نے درگاہ حضرت عباس میں حاضری دی اور پانچ سو روپیہ نظر کیے۔ اس کے بعد مہاراجہ ٹکیت رائے کے عزاخانے میں حاضری دی زیارت کی اور تعزیے پر چار سو روپیہ نذر کیے۔ پھر وزیر باغ گئے اور تعزیوں پر نذریں گزاریں۔ اس کے بعد اپنے امام باڑے میں واپس آئے۔ اسی درمیان مسٹر چیری اور دیگر انگریز افسر ان بھی آگئے۔ چنانچہ انہوں نے بھی نواب کے ساتھ مجلس میں شرکت کی اور ماتم کیا۔"

دوسرے سال یعنی ۱۷۹۵ء کی چند مصروفیات کا ذکر اس طرح ہے:

۲؍محرم ۱۷۹۵ء کو نواب نے حکم دیا کہ مداح علی خاں سے پچیس ہزار روپیہ لیکر تحسین علی خاں کو دئے جائیں جو پانچ روپیہ فی کس کے حساب سے غریب تعزیہ داروں کو تقسیم کردیں۔ اسکے بعد نوجدار خاں کے تعزیہ کی زیارت کو گئے اور سو روپیہ نذر کیے''

۳؍محرم ۱۷۹۵ء کو نواب نے راجہ جھاؤلال کو حکم دیا کہ نجف اشرف میں حضرت علیؑ کے روضے پر چڑھاوے کے لیے دوسو طلائی کمر بند اور ایک لاکھ کی مالیت کے دیگر سامان تیار کیے جائیں۔ پھر نواب راجہ جھاؤلال کے تعزیہ کی زیارت کو گئے اور سو روپیہ نذر کیے۔ راجہ جھاؤلال نے پانچ سو روپیہ نذرانے میں پیش کیے۔

۶؍محرم ۱۷۹۵ء کو نواب نے راجہ بھوانی مشرا کے تعزیہ پر پانچ سو روپیہ نذر کیے اور راجہ نے نواب کو تحفہ میں ۲ ہزار روپیہ پیش کیے۔

۷۔محرم ۱۷۹۵ء کو نواب ٹکیت رائے کی حویلی گئے اور تعزیہ پر پانچ سو روپیہ نذر کیے۔ وہاں سے نواب گوگھاٹ گئے اور میر مستیا کے تعزیہ پر پانچ سو روپیہ نذر کیے۔

قومی یکجہتی واتحاد کی یہ وہ ناقابل فراموش یادگاریں ہیں جن کی ابتداء ایودھیا میں بابری مسجد سے ہوئی اور تمام سلاطین اودھ کے ہاتھوں پروان بھی چڑھتی رہیں۔ دور حاضر میں سب کچھ مٹ جانے کے بعد اس اتحاد کی کچھ جھلکیاں آج بھی اودھ کے قصبات ودور دراز گاؤں میں دیکھنے کو مل جاتی ہیں۔ ورنہ صرف اودھ بلکہ پورے ہندوستان میں ان کی جھلکیاں بکھری پڑی ہیں۔ ہمارے مندر، ہماری مسجدیں درگاہیں اور تیرتھ استھان اسی اتحاد کا آئینہ ہیں۔ ہندوستان کی نہ جانے کتنی تاریخی عمارتیں اسی قومی یکجہتی واتحاد کی داستانوں کو سینے سے لگائے آج بھی کھڑی ہیں خواہ دہلی کے چاندنی چوک کا جین مندر ہو یا مہرولی کی درگاہ وجوگ مایا کا مندر ہو، اجمیر شریف کی درگاہ ہو یا امرناتھ یاترا۔ میں چھڑی شریف ہو سبھی قومی یکجہتی کی نشانیاں ہیں۔ جو ہر چہار سو بکھری ہوئی ہیں۔ ہمارا امن وسکون ہمارا اتحاد ہماری ترقی اور ہماری شناخت انہیں سے وابستہ ہے اور جب تک ماضی کی یہ تاریخ ہمارے سامنے رہے گی۔ ہماری

منفرد پہچان باقی رہے گی۔

❁❁❁

حوالے:

۱۔ لطائف اشرفی، جلد ۲ ۲۶۸ بہ حوالہ علامہ فروغ کاظمی، شاہان اودھ اور شیعیت'' عباس بک ایجنسی لکھنؤ ۱۹۹۹ صفحہ ۶۳

۲۔ علامہ فروغ کاظمی، ایضاً صفحہ ۶۴

۳۔ علامہ فروغ کاظمی ایضاً ۶۴ دیکھئے قیصر التواریخ جلد ۲ صفحہ ۱۱۰

۴۔ علامہ فروغ کاظمی، ایضاً صفحہ ۱۴۲

۵۔ علامہ فروغ کاظمی ایضاً صفحہ ۱۹۵

۶۔ ایضاً صفحات ۹۲ تا ۹۷

☆☆☆